سلسلہ نمبر ۳ قسط نمبر ۱

''الحامد ٹرسٹ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تا حال طبع نہیں ہوسکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر ان کو شائع کردیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (ادارہ)

حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمہ اللہ

﴿ نظرثانی وعنوانات : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

والد ماجد حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی تاریخ پیدائش ۱۲/ رجب ۱۳۲۱ھ (۴/اکتوبر ۱۹۰۳ء) ہے، جائے پیدائش دیوبند کا ''محلّہ سرائے پیرزادگان'' ہے، تاریخی نام ''مظفر میاں'' ہے۔

خاندان اور وطن :

وطن مالوف دیوبند تھا۔ نسباً ساداتِ حسینی میں ہیں۔ دیوبند میں سادات کے متعدد خاندان ہیں لیکن یہ خاندان سب سے قدیم ہے۔ گیارہویں صدی کے اوائل میں جدامجد سید ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبند قیام فرما ہوئے تھے۔ یہ جہانگیر کا دورہ تھا۔ جہاں آپ قیام فرما ہوئے تھے وہ جگہ بستی سے کچھ الگ ہے اسے ''سرائے پیرزادگان'' کہا جاتا ہے۔ وہیں مسجد خانقاہ اور آپ کا مزار ہے ان کی وفات ۱۰۳۴ھ میں ہوئی اور محلّہ ''سرائے پیرزادگان'' ہی میں مدفون ہوئے۔

شجرۂ نسب :

اس خاندان کے حالات ''تاریخ دیوبند'' میں بھی دیے گئے ہیں۔ نیز دیوبند سے ایک رسالہ ''تذکرۂ ساداتِ رضویہ'' کے نام سے شائع ہوا ہے اس میں شجرۂ نسب بھی ہے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے درمیان اڑتیس واسطے ہوتے ہیں :

مولانا سیّد محمد میاں ابن سیّد منظور محمد ابن سیّد یوسف علی ابن سیّد محمد علی ابن سیّد ظہور ولی ابن سیّد محمد فردوس ابن سیّد شاہ شبلی ابن حضرت بندگی محمد اسمٰعیل ابن حضرت سیّد محمد ابراہیم قدس اللہ سرہٗ ابن سیّد سعد اللہ ابن سیّد محمود قلندر ابن سیّد احمد ابن سیّد فرید بن وجیہ الدین بن علاء الدین بن سیّد احمد کبیر ابن سیّد شہاب الدین بن حسین علی بن عبدالباسط بن ابوالعباس بن اسحاق عندلیب المکی ابن القاری حسین علی ہادی بن لطف اللہ بن تاج الدین احمد بن حسین بن علاء الدین بن ابی طالب بن ناصر الدین احمد بن نظام الدین حسین بن موسی بن محمد الاعرج ابن ابی عبداللہ احمد بن موسیٰ المبرقع ابن امام محمد تقی ابن امام موسیٰ علی رضا ابن امام موسیٰ کاظم ابن امام جعفر صادق ابن امام محمد باقر ابن امام زین العابدین ابن امام ابی عبداللہ الحسین ابن سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بنتِ سرورِ کائنات محمد رسول اللہ ﷺ ۔

(تذکرہ سادات رضویہ دیوبند ص ۳ و ص ۲۵۔ مصنفہ سیّد محبوب رضوی شائع کردہ علمی مرکز دیوبند)

اس شجرہ میں سیّد حسین علی بن عبدالباسط حمص (شام) سے ترک وطن کر کے اَوش چلے گئے وہاں سے دہلی آئے حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ سے مرید ہوئے کسبِ فیض کیا اور حضرت بابا فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے مشائخ سے کسبِ فیض کیا ان کے ساتھی رہے پھر سندھ کے قدیم شہر بھکر میں اقامت گزیں رہے اور وہیں بعہدِ سلطان الدین خلجی وفات پائی ان کا سالِ وفات ۶۹۵ھ ہے اور حضرت بابا صاحبؒ کا ۶۹۰ھ پھر ان کی اہلیہ اپنے دوخورد سالہ بچوں شہاب الدین وغیرہ کو لے کر حمص واپس چلی گئیں۔ اَوش فرغانہ کے علاقہ میں واقع ہے یہی ظہیر الدین بابر کا بھی وطن تھا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی۔ (تذکرہ سادات رضویہ دیوبند ص ۴)

بچپن اور تعلیم :

داداجان رحمۃ اللہ علیہ جن کا اسم گرامی منظور محمد تھا۔ ان کی طبیعت میں قناعت وصبر رچا ہوا تھا مولانا راشد حسن صاحب عثمانی مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ خوددار نہیں دیکھا مولانا راشد حسن صاحب حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے بھائی جناب حامد حسن صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے تھے ان کا یہ قول اس لیے زیادہ وزنی ہے کہ خود مولانا راشد حسن صاحب بھی نہایت عسرت کے دور سے گزرے تھے جناب سیّد منظور محمد صاحب بسلسلۂ ملازمت دیوبند سے باہر رہتے تھے تو آپ بھی مع والدۂ محترمہ (بنت سیّد ریاض حسینؒ) انہیں کے ساتھ رہتے تھے۔ پانچ یا چھ برس کی عمر ہوئی تو والدین کو آپ کی تعلیم کی فکر ہوئی۔ موضع بچولہ ضلع بلند شہر جو داداجان رحمۃ اللہ علیہ کا ہیڈ کوارٹر تھا چھوٹا سا

گاؤں تھا جہاں کوئی تعلیمی ادارہ موجود نہیں تھا والد صاحب کی نانی صاحبہ نے شفقت فرمائی اور آپ کے والدین کی درخواست پر بسم اللہ کرادی۔ وہ بہت صالح صابروشا کر خاتون شمار ہوتی تھیں۔ ان کے یہاں دو ہی بچے ہوئے تھے۔ ایک آپ کی والدہ اکرام النساء اور دوسرے ماموں سیّد بشیر احمد (والد ماجد مولانا حافظ سیّد محمد اعلیٰ صاحب مدظلہم)، پھر نانا صاحب کا انتقال ہو گیا تھا بیوگی کے عالم میں انہوں نے ان دونوں بچوں کی تربیت و پرورش کی۔ وہ صوم وصلاۃ کے علاوہ دیگر اوراد کی بھی پابند تھیں۔ سونے سے پہلے سورۂ ملک اور سورۂ واقعہ کے علاوہ ایک طویل مناجات پڑھنے کا معمول تھا۔ جس میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔

آپ کے والد ماجد اس تاریک قریہ میں تھوڑا عرصہ رہے۔ پھر موضع ٹنڈ ھیرہ ضلع مظفر نگر تبادلہ ہو گیا۔ جہاں دینی تعلیم کا مکتب تھا۔ آپ مکتب میں داخل کرا دیے گئے پھر آپ کے والد صاحب کا قصبہ بیلسونہ تبادلہ ہو گیا۔ وہاں ایک صاحب تھے، خلیل احمد صاحب ان کا اسم گرامی تھا پیشہ چرم دوزی تھا۔ مگر فارسی کی قابلیت بہت عمدہ تھی۔ آپ قرآن شریف ختم کرتے ہی موصوف کے حوالے کر دیئے گئے کہ موصوف فارسی پڑھائیں۔ مگر یہ سب عارضی انتظامات تھے۔ اور چونکہ تقریباً چھ ماہ بعد آپ کے والد صاحب کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ تو یہ انتظامات بھی ناکافی رہتے تھے۔

خاندان کے نئے رواج کے مطابق آپ کو انگریزی پڑھانے کے لیے سرکاری اسکول میں داخل کرنا چاہیے تھا مگر انگریزی تعلیم کے مصارف غیر قابلِ برداشت سمجھے گئے اور یہی بہت بہتر ہوا۔ خداوند کریم نے ان کی اعلیٰ ذہنی صلاحیت اپنے دین کے لیے قبول فرمائی۔ چنانچہ آپ کو دارالعلوم دیوبند کے درجہ فارسی میں داخلہ کر دیا گیا جہاں تعلیم کی فیس نہ تھی۔ یہ غالباً ۱۹۱۶ء کا واقعہ ہے۔ درجاتِ فارسی کی تکمیل کے بعد آپ درجاتِ عربی میں داخل ہوئے اور ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۵ء میں فراغت ہوئی۔

دورۂ حدیث شریف علامہ عصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری نوراللہ مرقدہٗ سے پڑھا ازہر شاہ صاحب قیصر مدظلہم نے ماہنامہ دارالعلوم کے اداریہ میں لکھا ہے کہ "آپ کو محدث العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ (م ۱۳۵۲ھ) سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ بلکہ ممتاز تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا، علمی ذوق شوق استاد محترم سے ورثہ میں ملا تھا۔

تدریسی خدمات :

مارچ ۱۹۲۶ء میں کلکتہ میں جمعیۃ علماء ہند کا دوسرا اجلاس زیرِ صدارت علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ہوا تھا حضرت علامہ انور شاہ صاحب صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کے جملہ اکابر اس میں شامل ہوئے،

واپسی پر مدرسہ حنفیہ آرہ شاہ آباد کے ارکان نے صدر المدرسین دار العلوم دیوبند حضرت علامہ کشمیریؒ سے ایسے مدرس کی فرمائش کی جو عربی تقریر وتحریر کی مشق کراسکے اور خصوصاً فنِ ادب کی اُونچی کتابیں پڑھا سکے۔ حضرت موصوف دیوبند واپس ہوئے تو شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے مشورہ سے اس کے لیے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو منتخب کیا گیا۔ وہاں آپ نے تقریباً ساڑھے تین سال قیام فرمایا۔ اول اول کچھ مشکلات پیش آئیں۔ پھر نہ صرف مدرسہ کے حضرات بلکہ شہر کے بھی بہت سے حضرات مانوس ہوگئے (والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ وہاں کے واقعات کا ذکر فرمایا تو ارشاد فرمایا کہ پہلے پہل کچھ دشواریاں پیش آئیں مگر بعد میں اہلِ مدرسہ ایسے مانوس ہوئے کہ میری بات کو دلیل اور حجت کا درجہ دینے لگے)۔ صوبہ بہار کے دوسرے اضلاع کے علماء اور بزرگوں سے بھی تعارف ہوگیا۔ لیکن آپ خود اس مدرسہ سے خاطر برداشتہ رہے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اس مدرسہ کو سرکاری ایڈ ملتی تھی۔ اور بہار یونیورسٹی کے درجات فاضل وغیرہ کی تیاری بھی یہاں کرائی جاتی تھی۔ یہ دونوں باتیں دار العلوم دیوبند کے اصول کے خلاف تھیں۔ آپ کے اکابر جو دار العلوم کے بااثر اور بارسوخ حضرات تھے انہوں نے اگرچہ وقتی طور پر آپ کا وہاں انتخاب فرمادیا تھا۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ کچھ عرصہ اگر وہاں اور قیام رہتا تو شمس الہدیٰ میں پروفیسر ہوسکتے تھے۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ پروفیسر ہونے کے بعد پرنسپل بھی ہوجاتے۔ کیونکہ وہاں تعلقات کا دائرہ وسیع ہوگیا تھا اور وہاں کی پرنسپل شپ کے لیے کسی ڈگری کی ضرورت نہ تھی۔ اس زمانہ میں مولانا محمد سہول صاحب پرنسپل تھے جو صرف فاضل دار العلوم دیوبند تھے۔ اور دیوبند وغیرہ میں بااثر استاد رہ چکے تھے۔ ان کے پاس کوئی اور ڈگری نہیں تھی اور وہ بظاہر انگریزی کے حروف سے بھی واقف نہ تھے۔ لیکن والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی ایسے مدرسہ کے خواہاں تھے جو دار العلوم دیوبند کی طرح سرکاری امداد اور سرکاری اثرات سے پاک ہو۔

حسنِ اتفاق کہ جامعہ قاسمیہ (مدرسہ شاہی) مراد آباد میں ایک ایسے استاذ کی ضرورت ہوئی جو درجات علیا کی تعلیم دے سکے۔ اس جگہ کے لیے دیوبند کے اکابر خصوصاً حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند نے آپ کو تجویز فرمایا اور سفارش فرمائی۔ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے اس سفارش کی تائید فرمادی اور والد صاحب کو تحریر فرمایا کہ "اب ایسے مدرسہ میں بھیجا جارہا ہے جو علم کا مرکز ہے"۔

نامناسب نہ ہوگا اگر یہاں مراد آباد کے علمی وفکری حالات کا کچھ خاکہ پیش کردیا جائے :

جامعہ قاسمیہ مراد آباد جسے عرفاً "مدرسہ شاہی" کہا جاتا ہے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کا قائم کردہ ہے اس کا نام حضرتؒ نے "مدرسۃ الغرباء" رکھا تھا، جس کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ آپ کی اپیل پر جس نے سب سے پہلے چندہ دیا تھا وہ کوئی نیک بخت مسافر تھا۔ پھر حضرت کی نسبت سے اس کا نام "جامعہ قاسمیہ" ہوگیا۔ اور چونکہ یہ مدرسہ شاہی مسجد میں تھا اس لیے اسے "شاہی مدرسہ" بھی کہا جاتا ہے، مدرسہ میں جو نام کندہ کرایا گیا ہے یہ

ہے "مدرسۃ الغرباء جامعہ قاسمیہ واقع شاہی مسجد"۔ یہ مدرسہ ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء ماہ صفر سے جاری ہوا۔ سب سے پہلے مدرس مولانا سیّد احمد حسن صاحب امروہوی تھے۔ جو مولانا رحمۃ اللہ صاحب کے شاگرد رشید تھے۔ مولانا رحمت اللہ صاحب بہت بڑے مناظر تھے۔ عیسائیوں کے پاس ان کا جواب نہ تھا انگریز اُن کی جان کے دُشمن ہو گئے انہوں نے یہ دیکھ کر سفر ہجرت کیا مکہ مکرمہ میں قیام اختیار فرمایا وہاں "مدرسہ صولتیہ" شروع کیا۔ "اظہار الحق" نامی کتاب تحریر فرمائی جو عربی میں دو جلدوں میں ہے اور عیسائی مذہب کے بارے میں اعلیٰ ترین مناظرانہ کتاب شمار ہوتی چلی آئی ہے۔ مصر میں پادری فنڈر کے مناظرہ میں علماء مصر کو تشویش ہوئی تو آپ کو مکہ مکرمہ سے بلایا آپ نے فرمایا کہ اسے میرے آنے کی خبر نہ دیں ورنہ مناظرہ کو ٹلا جائیگا ایسے ہی ہدایت پر عمل کیا وہ جب بالکل لاجواب ہو گیا تو اس نے اگلے دن جوابات دینے کے لیے مہلت مانگی اور رات کو خودکشی کر لی۔ یہ اس زمانہ میں عیسائیوں کا سب سے بڑا چرب زبان پادری تھا۔ مولانا رحمت اللہ صاحب کی وفات مکہ مکرمہ میں ہوئی وہیں جنت المعلی میں مدفون ہیں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک کمرے میں قیام فرماتے تھے۔ وہ کمرہ مدرسہ صولتیہ میں اب بھی بحالہ موجود ہے حضرت مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم مکہ مکرمہ میں اسی میں قیام فرماتے ہیں اور قبر مبارک بھی جنت المعلی میں مولانا رحمت اللہ کے پہلو بہ پہلو ہے۔ غرض مولانا سیّد احمد حسن صاحب ان کے شاگرد تھے انہوں نے تدریس کا آغاز کیا تنخواہ ۳۵ روپے ماہانہ مقرر کی گئی تھی۔ (از روداد ۹۶ھ) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ نے ۱۳۰۰ھ میں مدرسہ کا سالانہ امتحان لیا تو تعلیمی حالت سے خوش ہو کر فرمایا: اگر چند سال ایسی صورت رہی تو یہ مدرسہ تمام مدارس عربیہ میں مثل مدرسۂ دیوبند نہایت نام آور اور مشہور ہوگا"۔ (از روداد مدرسہ ۱۳۰۰ھ)۔ اس مدرسہ سے بہت بڑے بڑے حضرات فارغ التحصیل ہوئے۔ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ ابن حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، ریاض الدین صاحب افضل گڑھی صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، مولانا عبدالغفور صاحب غزنوی قاضی القضاۃ غزنی، محمود طرزی وزیر اعظم افغانستان، اپنے حضرت مفتی محمود صاحب اور دیگر بہت بڑے بڑے اکابر اسی مدرسہ کے فارغ شدہ ہیں۔ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے تعلقات اہلِ مراد آباد سے چلے آرہے تھے آپ کے ایک خلیفہ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مراد آباد کے رہنے والے تھے، اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ان کے زمانہ سے لے کر ان کے پڑپوتوں کے زمانہ تک ہمیشہ ان کے اسی مکان میں محلّہ "بغیہ" میں قیام فرماتے رہے، حالانکہ مکان نہایت خستہ ہو چکا تھا اور ٹھہرنے کے لیے عمدہ سے عمدہ انتظام ہو سکتا تھا۔

مراد آباد میں ایک محلّہ کا نام "گلشہید" ہے وہاں شہداء ۱۸۵۷ء کے مزارات ہیں یہ لفظ گلہ اور شہید سے مرکب معلوم ہوتا ہے مراد آباد میں انگریزوں نے کئی اضلاع کے لیے اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا تھا۔ اہلِ مراد آباد میں یہ روایت چلی

آرہی ہے کہ وہاں ۱۸۵۷ء کے بعد ساڑھے سولہ ہزار مجاہدین حریت کو سولی پر چڑھایا گیا یہ مجاہدین مرادآباد کے علاوہ اس کے اطراف سے بھی لائے جاتے رہے۔ مرادآباد سے نینی تال جیسے بلند پہاڑ کا فاصلہ صرف چالیس میل ہے۔ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کا قیام ۱۸۵۷ء سے پہلے دہلی میں رہا تھا جو مرکز اور پایۂ تخت تھا ایسی جگہ ہر طرف سے آنے جانے والے ہمیشہ رہتے ہیں جس سے حلقہ تعلقات میں اضافہ ہوتا ہے خود حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ مجاہد تھے انہوں نے شاملی میں انگریز کی فوج سے جہاد بھی کیا تھا جس میں اُن کے چچا پیر حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی) نے جامِ شہادت نوش فرمایا تھا۔ اس معرکہ میں خود حضرت حاجی صاحب اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہم سب ہی شریک تھے تفصیل ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' میں ہے ان مجاہدین کے دُور دُور تعلقات تھے اور ربط تھا اس طرح بھی حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کا اہلِ مرادآباد سے رشتۂ جہاد منسلک تھا یہ گفتگو تو درمیان میں مرادآباد کے کچھ تعارف کے لیے آگئی تھی تذکرہ تھا کہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجاہدین حریت کے مرکز جامعہ قاسمیہ میں تشریف لے آئے وہاں آپ نے ترمذی شریف، بیضاوی شریف، جلالین، ہدایہ اخیرین، اور ادب کی تمام کتابیں پڑھائیں۔ (منطق میں ملا حسن بھی پڑھائی) پھر آخری دور میں ''مدرسہ امینیہ'' دہلی میں ترمذی شریف اور ہدایہ اخیرین کے ساتھ بخاری شریف بھی پڑھانی نصیب ہوئی اور افتاء کا کام تو مرادآباد سے جو شروع ہوا تو آخیر وقت تک چلتا رہا، جامعہ قاسمیہ میں شعبۂ افتاء مستقل حیثیت سے قائم نہ تھا وہ آپ نے ہی شروع فرمایا۔ تصنیف و تالیف عبادت و ریاضت کا سلسلہ اخیر وقت تک قائم رہا۔

تصانیف :

۳۹ء میں جرمنی کی جنگ شروع ہوئی۔ اسی زمانہ میں آپ نے مشہور کتاب ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' تحریر فرمائی جو ضبط کرلی گئی۔ پریس بھی ضبط کرلیا گیا۔ آپ کو گرفتار کرلیا گیا مگر ضمانت پر رہا کردیا گیا۔ آپ کے پیشِ نظر شاندار ماضی کی تصنیف کے دو مقصد تھے۔ اول یہ کہ سیاسی تحریک میں علماء کی شرکت کو علماء کی شان کے خلاف ایک طرح کی بدعت قرار دیا جارہا تھا۔ اس کتاب میں ظاہر کیا گیا ہے کہ علماء نے ہر دور میں اسی دور کی سیاست کے مطابق عملی حصہ لیا اور سزائیں بھگتی ہیں۔ لہٰذا اس دور میں اسی دور کے تقاضا کے مطابق تحریک میں حصہ لینا علماء کی شان کے خلاف نہیں بلکہ ان کی تاریخی روایات کو زندہ کرنا ہے۔ دوسرا مقصد تحریکِ آزادی کو تقویت دینا تھا اس لیے ان مظالم کی تاریخ بیان کی گئی تھی جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے آغاز سے اس وقت تک انگریزوں نے کیے تھے۔ اس کے قریب قریب زمانہ میں ایک بار خانہ تلاشی بھی لی گئی تھی لیکن پولیس کو کوئی مواد نہیں ملا۔

سیاسیات :

والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ مارچ ۲۸ء میں مدرسہ شاہی پہنچے [۱] ان کی تحریرات میں ہے کہ مدرسہ شاہی کی فضا مزاج کے موافق مل گئی کہ دارالعلوم دیوبند کی طرح یہ مدرسہ بھی سرکاری امداد اور سرکاری اثرات سے پاک تھا اس مدرسہ کے صدرالمدرسین حضرت مولانا سیّد فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ تھے جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور جمعیۃ علماء ہند کے صدر رہوئے۔

مولانا موصوف شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کے خاص شاگرد اور سیاسی خیالات میں اُن کے پختہ معتقد تھے۔ تحریکِ خلافت میں اگرچہ جیل نہیں گئے مگر کام بہت کیا تھا۔ زیادہ تر آپ ہی کی خدمات تھیں جن کی وجہ سے مدرسہ شاہی نے سیاسی تحریک کے سلسلہ میں خاص امتیاز حاصل کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ سائمن کمیشن ہندوستان پہنچ کر ناکام واپس ہوا تھا اور تقریباً سات سال کی خاموشی کے بعد جب ۳۹ء شروع ہوا تو ہندوستان میں مختلف تحریکوں نے جنم لینا شروع کیا۔ اُس وقت ولبھ بھائی پٹیل اور گاندھی نے تحریک شروع کی تھی۔ لہٰذا یہ سوال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے۔ جمعیۃ علماء ہند نے اس سوال پر غور کرنے اور مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کے لیے امروہہ میں اجلاس کیا۔ مولانا معین الدین صاحب اجمیری رحمہ اللہ اس اجلاس کے صدر تھے۔

مسلمانوں میں ایک جماعت وہ تھی جو تحریکِ آزادی میں شرکت سے پہلے ہندو مسلم معاہدہ کو ضروری سمجھتی تھی۔ لیکن دوسری جماعت جن کی سربراہ جمعیۃ علماء ہند تھی اس کا یقین یہ تھا کہ جدوجہد آزادی ایسا فرض ہے جو دوسرے برادرانِ وطن سے زیادہ مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے۔ برادرانِ وطن اس کو صرف سیاسی مسئلہ سمجھتے ہیں۔ مگر مسلمانوں کے لیے اس کی نوعیت مذہبی مسئلہ کی بھی ہے۔ جس کا مدار کسی معاہدہ پر نہیں ہے علاوہ ازیں وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ برطانیہ کے سیاسی اقتدار بلکہ اس کے سیاسی جبروت کے دور میں کسی متفقہ معاہدہ کا تصور جوئے شیر کے تصور سے کم نہیں ہے، چنانچہ جیسے ہی جمعیۃ علماء ہند نے امروہہ میں اجلاس عام کا اعلان کیا دوسری جماعت جمعیۃ علماء اسلام کے نام سے کھڑی ہوگئی اور اس نے بھی ان ہی تاریخوں میں امروہہ میں اپنی جمعیۃ کا اجلاس کیا۔

والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو مدرسہ شاہی مراد آباد میں کام کرتے ہوئے ابھی ایک سال ہی ہوا تھا کہ سیاسی فضا میں یہ گرمی پیدا ہوگئی۔ اسی سال جب جمعیۃ علماء مراد آباد کا انتخاب ہوا تو آپ کو نائب ناظم بنادیا گیا۔

---

[۱] ۲۸ء ہی میں حضرت اقدس مولانا مدنی قدس سرہٗ دارالعلوم دیوبند شیخ الحدیث کے عہدہ پر تدریسی فرائض انجام دینے کے لیے تشریف لائے۔

کچھ روز بعد جمعیۃ علماء ہند نے شاردا ایکٹ کی تحریک چلائی تو آپ نے پوری سرگرمی سے اس میں حصہ لیا، حتی کہ موٹو وغیرہ اپنے ہاتھ سے تحریر فرمائے۔ ضابطہ کے لحاظ سے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں شریک نہیں ہوسکتے تھے کیونکہ اس کے رکن نہیں تھے لیکن بہر حال شرکت کا موقع ملا۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے علماء کی بحثیں سُنیں، کچھ قانون دان وکیل اور ایک بیرسٹر صاحب اور ایک بڑے عالم [۲] جو سرکار کے حامی تھے صدر کی اجازت سے وہ بھی اجلاس میں شریک ہوئے اور جناب صدر نے اُن کو بھی بحث میں حصہ لینے کی اجازت دی۔ انہوں نے کانگریس کے خلاف تقریریں کیں اور یہ کہ مسلمانوں کو اس میں حصہ نہ لینا چاہیے ان کے پیش کردہ دلائل ان کی نظر میں مضبوط ہوں گے مگر مجھے نہایت لچر معلوم ہوئے۔

جمعیۃ علماء کے ارکان میں سے حضرت سیّد سلیمان صاحب ندوی اور مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کی تقریروں نے مجھے متاثر کیا، سیّد صاحب کی تقریر تاریخی اور سیاسی نوعیت کی تھی۔ اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ نے مذہبی حیثیت سے روشنی ڈالی تھی۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ اس تجویز کے محرک تھے۔ آخر میں اُن کی تقریر بھی ہوئی، مگر وہ اس وقت اتنے اونچے درجہ کے مقرر نہیں تھے۔ رات کو جلسۂ عام ہوا جس میں مولانا شاہ عطا اللہ صاحب بخاری کی تقریر ہوئی۔ غالباً تین گھنٹے تک وہ تقریر جاری رہی۔ معلوم ہوتا تھا کہ آگ کے شعلوں کی بارش ہورہی ہے۔ ''چیرز'' نہیں ہوتے تھے بلکہ مضطربانہ نعرے بلند ہوتے تھے۔ کچھ پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ بہر حال میں جذباتی لحاظ سے اس تقریر سے متاثر ہوا۔

اجلاس ختم ہوا تو میں مرادآباد واپس ہوا اور حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی مرادآباد تشریف لائے میں نے چاہا کہ اجلاس اور جلسہ کی ہماہمی کے علاوہ سکون اور اطمینان کی صورت میں بھی حضرت شیخ سے استصواب کروں چنانچہ احقر نے تنہائی میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ کیا مجھے تحریک میں حصہ لینا چاہیے۔ مولانا کا جواب لامحالہ اثبات میں تھا۔ مزید فرمایا یورپ خصوصاً برٹش نے دنیا کے بہت سے ممالک کو اپنے تسلط اور چیرہ دستی کے شکنجہ میں کس رکھا ہے۔ اور برٹش کی یہ طاقت ہندوستان کی وجہ سے ہے۔ ہندوستان پر برٹش کی گرفت کچھ بھی ڈھیلی پڑتی ہے تو ان کمزور ممالک پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ اور انہیں سانس لینے کا موقع ملتا ہے۔

حضرت شیخ کے اس ارشاد کے بعد احقر کو پوری طرح انشراح ہوگیا چنانچہ حضرت مولانا فخر الدین صاحب کا دست وبازو بن کر تحریک پر کام شروع کر دیا۔ چند روز میں پورے مرادآباد پر تحریک چھاگئی اور صوبہ سرحد کے بعد مرادآباد کی یہ خصوصیت تھی کہ یہاں کانگریس پر مسلمان چھائے ہوئے تھے۔

---

[۲] ان کا نام والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر نہیں فرمایا۔

مجاہدانہ کارنامے اور شجاعت :

۳۰ء میں مراد آباد کے الیکشن میں جو ٹاؤن ہال میں ہو رہا تھا۔ پولیس نے مجمع پر گولی چلائی اور لاٹھی چارج کے بعد گھوڑے دوڑا دیے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ وہ اسی میدان میں تھے اور آخر تک رہے۔ خدا کی حفاظت تھی کہ عجیب وغریب طرح گھوڑوں کی ٹاپوں اور فائرنگ کی گولیوں سے بچے، فائرنگ بند ہوگئی تو زخمیوں کو اُٹھوایا۔ عبدالنبی ایسا مجروح ہوا کہ جاں بر نہ ہوسکا۔ دوسرے زخمی اچھے ہوگئے۔

والد صاحب نے تحرتر فرمایا ہے کہ پشاور میں قصہ خوانی بازار کے فائرنگ کے بعد یہ یوپی میں پہلا فائرنگ (کا واقعہ) تھا۔ اس کے بعد برابر پامردی اور تسلسل کے ساتھ ساری عمر تدریس وافتاء تصنیف وتالیف عبادت وریاضت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہم نے بھی اسی دور میں والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے ادب کی کتابیں اور ترمذی شریف پڑھی ہے۔ حضرت مفتی محمود صاحب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ بالا واقعہ بھی ذکر فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ **النفس لا تتوجہ الی شیئین فی اٰن واحد** کا قاعدہ ان کے یہاں منقوض تھا۔ وہ سبق پڑھاتے پڑھاتے بھی لکھ دیا کرتے تھے۔

میں نے اپنے بچپن میں دیکھا تھا کہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ باقاعدہ ورزش کیا کرتے تھے، مونگریاں (مگدڑ) بھی گھمایا کرتے تھے، گویا جہاد کے لیے ہر وقت تیاری رکھتے تھے۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تقریباً سولہ سال مراد آباد رہے۔ اور جماعتی کام اور تصانیف اسی دور میں شروع فرمائیں۔ اس لیے عموماً لوگ انہیں مراد آبادی سمجھنے لگے ان سے اہلِ مراد آباد کے تعلق کا یہ حال تھا کہ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کو مراد آباد کا ''بے تاج بادشاہ'' فرمایا کرتے تھے اہلِ مراد آباد کی پرخلوص محبت ہی تھی کہ والد صاحبؒ کی وجہ سے مراد آباد آنے والے رشتہ دار اب تک وہیں ہیں اور بعض حضرات وہیں پیوند خاک ہوگئے۔

قید وبند :

۳۴ء میں جیل جانا ہوا۔ رہائی کے بعد مراد آباد میں کرایہ پر مکان لیا اور سب اہلِ خانہ کو محترم دادا جان اور دادی صاحبہ سمیت دیوبند سے بُلا لیا۔ میں نے دیوبند میں جناب مولانا قاری اصغر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے الف با کا قاعدہ شروع کیا تھا، مراد آباد آنے پر قرآنِ کریم شروع کیا۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ بہت قوی تھا، غیر متعلق کتابیں بھی یاد تھیں، میں نے ان سے صرف ایک کتاب پڑھی ہے ''مقامات حریری'' ورنہ ادب کی تعلیم حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی ہے لیکن اگر میں والد صاحبؒ سے مقامات نہ پڑھتا تو لغت میں وقتِ نظر جو ہمارے ہندو پاک کا خصوصی حصہ چلا آرہا ہے نہ پیدا ہوتی۔

''مقامات'' پر والد صاحبؒ کی تعلیقات ہیں جو بیشتر فقه اللغة للثعالبی سے لی گئی ہیں لیکن یہ سب ان کو اتنی یاد تھیں کہ مطالعہ کے لیے صرف ایک نظر ڈالا کرتے تھے اور اثناء درس تمام تفاصیل دُہرا دیا کرتے تھے۔ جواز بر تھیں۔ اسی طرح اور بھی درسی کتب پر تعلیقات ہیں جو انہوں نے پڑھائی ہیں۔ ان کے علاوہ کافی کافی ضخیم نوٹ بکیں علیحدہ ہیں۔ یہ سارا علمی ذخیرہ غیر مطبوعہ ہے۔

دوپہر کے وقت گھر جانے کے بجائے جو محلّہ مغل پورہ مراد آباد میں تھا مدرسہ ہی میں وقت گزارتے اور افتاء کا کام انجام دیتے۔ میں گھر سے کھانا لے آتا تھا، کھانے کا وقت بھی ڈبل کاموں میں صرف فرماتے تھے کہ ظہر کے بعد کے اسباق کا مطالعہ ساتھ ساتھ فرماتے۔ انہیں شام کے سبق پڑھانے کے لیے اتنا مطالعہ کافی ہوتا تھا اور صبح کے وقت کے اسباق کا مطالعہ نماز فجر کے بعد تلاوت و ذکر بارہ تسبیح سے فراغت کے بعد چائے پیتے وقت فرماتے تھے۔ میں نے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کبھی کبھی مختلف کتابوں کے مقامات بھی حل کیے ہیں۔ جنھیں وہ بلا مطالعہ ہی زبانی حل کرا دیتے تھے۔ اور وہ اُستاذِ کتاب سے بہتر طرح حل ہوتا تھا۔ میں نے بھی تقریباً تمام ہی کتابیں جامعہ قاسمیہ مراد آباد میں پڑھی ہیں شمس بازغہ، شرح چغمینی، شرح عقائد دوانی توضیح وتلویح حضرت مولانا عَجَبُ نُور صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنے کا موقع ملا البتہ آخری دو سال سے کچھ زیادہ دارالعلوم دیوبند میں پڑھتا رہا ہوں۔ (جاری ہے)

سلسلہ نمبر ۳ قسط نمبر ۲، آخری

''الحامد ٹرسٹ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تا حال طبع نہیں ہو سکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر ان کو شائع کر دیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تا کہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (ادارہ)

حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمہ اللہ

﴿ نظرِ ثانی و عنوانات : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

جیل خانے یا عبادت گاہیں، ان حضرات کے مشاغل کی ایک جھلک :

۲۸ء سے ۴۴ء تک والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ چار مرتبہ مراد آباد سے اور ایک مرتبہ دہلی سے گرفتار ہوئے بامشقت سزا بھی دی گئی۔ جیل ہی میں حفظِ قرآن پاک شروع کیا سولہ پارے متعدد جیلوں میں یاد کیے۔

۸/اگست ۴۴ء کو وہ تحریک شروع ہوئی جس کا نام ''کوئیٹ انڈیا'' ''ہندوستان چھوڑ دو'' والی تحریک مشہور ہوا حسنِ اتفاق کہ اس میں گرفتار شدگان اکابر سب ہی مراد آباد جیل میں جمع ہو گئے۔

حضرت اقدس مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ حسن پور ضلع مراد آباد میں ایک تقریر کی وجہ سے پہلے ہی گرفتار کر لیے گئے تھے والد صاحب اس وقت باہر تھے اس دوران حضرت مدنیؒ کے جو گرامی نامے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام صادر ہوتے رہے وہ گورنر یا صوبہ دار کے عنوان سے معنون [۱] آتے رہے جیسے کہ مکتوبات شیخ الاسلامؒ کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔

حضرت اقدس مدنی، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی (جو اس قید کے بعد حضرت مدنیؒ کی خلافت سے مشرف ہوئے)، حضرت مولانا الحافظ القاری المقری محمد عبداللہ صاحب تھانوی [۲] اور حافظ محمد ابراہیم صاحب سب ہی اسی جیل میں تھے، چند روز بعد رمضان شریف آ گیا تو جیل خانہ کی پارک تراویح گاہ بن گئی۔ شیخ الاسلامؒ تراویح پڑھاتے تھے اور مولانا حافظ قاری عبداللہ صاحب سماعت کیا کرتے تھے۔ رحمهم الله رحمة واسعة.

[۱] یعنی گورنر یا صوبہ دار کے نام سے آتے رہے [۲] آپ کا وطن تھانہ بھون تھا۔ نیکی پارسائی، علمی اور سیاسی بصیرت انتہا درجہ کی خدا نے بخشی تھی۔ حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے اپنے فتاویٰ میں مسئلہ ضاد پر اشکالات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اکتوبر میں والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان میں شامل ہوگئے تھے۔ وہاں شیخ الاسلامؒ سے درسِ قرآن پاک کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا مگر یہ درس [1] ایک ہفتہ ہونے پایا تھا کہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کو مراد آباد سے نینی جیل (الٰہ آباد) منتقل کردیا گیا۔ یہ حضرات جن کے لیے یہ جیل خانہ ایک عبادت گاہ اور درس گاہ بن گئی تھی حضرت اقدسؒ کی مفارقت پر تڑپتے رہ گئے۔

کچھ عرصہ بعد والد صاحبؒ اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کو بھی بریلی سینٹرل جیل منتقل کردیا گیا اور دوسرے بقیہ حضرات کو بھی مختلف مقامات پر۔ والد صاحب جیل ہی میں تھے کہ دادا جان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی۔ دادا جان رحمۃ اللہ علیہ کو تنفس (دمہ) کا عارضہ تھا۔ ۳۴ء کے بعد ایک دفعہ جب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسیر تھے ایک دن میں کچھ اشعار پڑھ رہا تھا دادا جان مرحوم پر اِن کا بہت اثر ہوا۔ اب مجھے اس نظم کے صرف تین مصرعے یاد ہیں یہ نظم مخمس کے طرز پر تھی۔

بلبل بے خانماں اب تو چمن سے دور ہے   گردشِ تقدیر سے لاچار ہے مجبور ہے

اس کا چھٹا مصرعہ یہ تھا :

کیوں میرا نورِ نظر آنکھوں سے میری دور ہے

(باقی حاشیہ ص ۹) حتی کہ عزیزی قاری عبداللہ آئے پھر اُن سے گفتگو کے بعد رفع اشکالات کا ذکر فرمایا تھا۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے قرأتِ عشرہ اِن ہی سے پڑھی ہیں۔ جولائی ۴۴ء میں جیل سے آنے کے بعد وفات پائی۔ آپ کی وفات کے عرصہ بعد قبر بیٹھ گئی جسم مبارک سالم نکلا۔ آپ کی ذات بہت چھوٹی تھی لیکن میں سوچتا ہوں کہ اپنے آپ کو سیّد صدیقی فاروقی اور عثمانی وغیرہ کہلا کر خوش ہوجانے والے حضرات کو عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ کل قیامت کے دن جناب رسول اللہ ﷺ کے قریب وہ ہوں گے یا آپ کا وہ اُمّتی ہوگا جو عمل ورع اور تقوٰی اور اتباعِ سنت سے مزین رہا ہو چاہے وہ حضرت قاری صاحب ہوں یا مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب ہوں۔ رحمہا اللہ ورفع درجاتہا۔ آمین۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہم ایک بار اس بات پر اظہارِ افسوس فرمارہے تھے کہ فتاوٰی کے نئے ایڈیشن میں حضرت اقدس تھانوی قدس سرہٗ العزیز کی اس تمہیدی عبارت کو حذف کردیا گیا ہے جس میں حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ کا ذکر حضرت نے فرمایا تھا۔ حضرت مفتی صاحب حضرت قاری صاحبؒ کے حالات پر عجب انداز میں روشنی ڈالتے ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ وہ حالات ضبطِ تحریر میں آجائیں۔

[1] والد ماجد نور اللہ مرقدہ نے یہ دروس تحریر فرمائے تھے جو کتابی شکل میں شائع ہوچکے ہیں۔ اس کا نام ہم نے ''مجالس سبعہ'' رکھا ہے کیونکہ سات ہی مجلسیں ہونے پائی تھیں یہاں اسکا فوٹو لے کر طبع کرادی ہے۔

اس زمانے میں متعدد بار ایسا ہوا کہ دادا جان رحمۃ اللہ علیہ یہ نظم رات کو مجھ سے سنتے اور ہر دفعہ اُن پر اس کا شدید اثر ہوتا لیکن وہ نہایت متحمل مزاج اور صابر تھے کبھی اثر بھی ظاہر نہیں ہوتا تھا حتی کہ والد صاحب سے بھی ان کے جیل آنے یا جانے پر کسی قسم کی بیتابی وغیرہ کا کبھی اظہار نہیں ہوا نہ کبھی انہیں سیاست سے روکا۔

جب ۴۴ء میں والد صاحب جیل میں گئے تو دادا جان رحمہ اللہ کی علالت بڑھی حتی کہ آپ نے وفات پائی۔ ہماری رہائش محلّہ مغلپورہ میں تھی۔ مغل خاندان کے حضرات ان کا بزرگوں کی طرح اکرام کرتے رہے اور ہم سے رشتہ داروں کی طرح ملتے رہے ان ہی حضرات کی ایک مسجد ہے اس کے گرد اُن کے خاندان کے لوگ مدفون ہیں ان ہی میں صحنِ مسجد کے مشرقی حصہ سے متصل ان کی قبر مبارک ہے۔ مکتوبات شیخ الاسلام جلد چہارم میں مکتوب نمبر ۱۰۰ میں ان کی وفات پر تعزیت فرمائی گئی ہے یہ واقعہ ربیع الاول ۶۳ھ جون یا جولائی ۴۴ء کا ہے۔

۲۶ راگست ۴۴ء ۶ ررمضان ۶۳ھ کو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی رہائی ہوئی۔ فوری آرڈر دیا گیا کہ وہ نینی جیل سے باہر تشریف لے جائیں۔

انگریز کی طاقت بھی جنگ کے اثرات سے مضمحل ہوگئی تھی وہ ہندوستان سے اپنی گرفت ڈھیلی کرنا چاہتا تھا۔

جمعیۃ علماء ہند کی نظامت :

سہارنپور میں جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس ۱۱ر جمادی الاول ۱۳۶۴ھ ۴رمئی تا ۷رمئی ۱۹۴۵ء کو رکھا گیا جس میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو ''ناظم اعلیٰ'' اور والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ''ناظم جمعیۃ علماء ہند'' چنا گیا۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے عہدہ قبول کرنے کے لیے یہ شرط رکھی تھی کہ والد صاحب ناظم بنیں اور حضرت اقدس مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایسا حکم والد صاحب کے لیے دُوسری بار تھا نظامت کے فرائض بہت تھے اس لیے رفتہ رفتہ مرادآباد کو خیر باد کہنا پڑا۔

۱۹۴۷ء کے بعد حالات اور خدمات :

۴۸ء میں کرایہ پر مکان لے کر اہلِ خانہ کو مرادآباد سے دہلی بلا لیا اور مستقل طور پر دہلی رہنے لگے۔ درس و تدریس کا مشغلہ چھوڑنا پڑا لیکن اس وقت ملک میں مسلمانوں کی حالت ناگفتنی تھی۔

مشرقی پنجاب اور ہماچل میں مسلمان ہندوانہ وضع یا سکھوں کی وضع اختیار کر کے زندگی گزار رہے تھے جہاں تباہ شدہ مسلمانوں کی تعداد ایک فی ہزار رہ گئی تھی۔ جمعیۃ علماء ہند کے حضرات نے وہاں دورے کیے، حوصلے دلائے شبینہ مکاتب (نائٹ کلاسیں) شروع کیے۔ مسلمان جو چھپے ہوئے تھے برآمد ہونے لگے۔ اس کے لیے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھویں جماعت تک دینیات کا بارہ رسائل پر مشتمل ایک نصاب تحریر فرمایا۔ اس کے لیے معاون تعلیمی چارٹ بھی

بنوائے، میں نے دیکھا ہے کہ وہ یہ رسائل باوضو تحریر فرمایا کرتے تھے۔

رسائل دینیہ کا یہ نصاب ہندوستان بھر میں مقبول ہوا۔ از ہر شاہ صاحب قیصر مدظلہم ابن حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ رسالہ ''دارالعلوم'' کے ایک تعزیتی نوٹ میں جو اُنہوں نے دسمبر ۷۵ء کے پرچہ میں لکھا تھا تحریر فرماتے ہیں :

''جمعیة کی سیاسی خدمات سے دنیا کو متعارف کرانے والے مولانا موصوف ہی تھے، دسیوں کتابیں آپ نے لکھیں اور بڑی محنت و جانفشانی سے لکھیں۔ سیاسی علماء پر مولانا کے جو احسانات ہیں وہ بُھلائے نہیں جاسکتے۔ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمہم اللہ کے دورِ نظامت میں آپ نے ''دینی تعلیم کا رسالہ'' سات حصوں میں چھوٹے بچوں کے لیے لکھا اور اسے اپنے اہتمام میں عمدہ کتابت وطباعت سے شائع کرایا اور بحیثیت مصنف اس پر اپنا نام درج نہیں کیا۔ یہ مولانا کے اخلاص کا نتیجہ تھا کہ دینی تعلیم کا رسالہ پورے ملک میں بہت مقبول ہوا۔ اس سے پہلے آپ نے بچوں کے لیے ''تاریخ الاسلام'' نام کا رسالہ تین حصوں میں لکھا تھا۔ کہا جاسکتا ہے کہ آج کوئی بچے والا گھر ان رسالوں سے خالی نہیں میرا اندازہ ہے کہ چھوٹی بڑی کوئی پچاس [1] کتابوں کے آپ مصنف ہیں''۔

یہ رسالے اور ان کے معاون عمدہ چارٹ ایک نہایت عمدہ تعلیمی سیٹ ہے اور اب یہ رسالے گیارہ حصوں میں ہیں۔ بچوں کے لیے ابتداء سے آٹھویں جماعت تک کے لیے ان میں آداب واخلاق، عقائد وعبادات اور ضروری مسائل سب دلچسپ پیرایہ میں ہیں۔

''علماء حق اور اُن کے مجاہدانہ کارنامے'' دو حصوں میں ہیں پہلے حصے میں ۱۸۵۷ء سے حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کے دور تک کے حالات ہیں۔ دوسرا حصہ زیادہ ضخیم ہے اس میں ان علماء کے حالات ہیں جنہوں نے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں یا اُن کے معاون رہے، یہ کتاب اسی نقطۂ نظر سے شاندار ماضی کی طرح لکھی گئی ہے۔ اس میں ۱۹۴۷ء تک کے حالات ہیں۔

''جمعیة علماء ہند کیا ہے؟'' اور ''مختصر تذکرہ خدماتِ جمعیة علماء ہند'' دو حصوں میں تحریر فرمائیں۔ یہ بھی اسی طرح کی کتابیں ہیں۔

۴۷ء کے بعد ایک طرف تو یہ تھا کہ مسلمانوں کو برآمد کیا جائے دوسری طرف ان کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے

[1] ویسے درحقیقت تقریباً اسّی کتابیں لکھی ہیں۔ حامد میاں

کہ ان کی نظر اس چیز پر منعطف ہو کر رہ گئی تھی کہ مسلمانوں کو اسلام پر کیسے قائم رکھا جائے۔

آخر عمر میں آپ نے پھر پڑھانا بھی شروع کر دیا تھا۔ مدرسہ امینیہ میں شیخ الحدیث وصدر مفتی کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ اپنے نقطۂ نظر سے بلند پایہ محققانہ تصانیف کا کام انجام دیتے رہے مجھ سے ایک مرتبہ گفتگو فرما رہے تھے تو یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ مجھے دو بار ہندو مسلم لیڈروں نے متفقہ طور پر بلا مقابلہ ممبر منتخب ہو جانے کی پیش کش کی لیکن میں نے اسے پسند نہیں کیا۔ میں نے عرض کیا کہ ضرور قبول کر لینی چاہیے تھی بہت سے کام ہو سکتے تھے اس پر ذرا خفگی سے جواب دیا کہ ''تم بھی ایسی باتیں کرتے ہو؟'' مطلب یہی تھا کہ ان کا ذہن اس طرف رواں تھا کہ ایسی تحریرات سامنے آنی چاہئیں جو مسلمانوں کی بقاء اور ترویجِ اسلام کا ذریعہ بنیں اور ممبر ہونے کے بعد آدمی اور کاموں میں پھنس جاتا ہے۔

سیّد محبوب صاحب رضوی لکھتے ہیں :

''مولانا سیّد محمد میاں علم وعمل کا پیکر اور مشہور عالم ہیں بہار اور پھر مراد آباد میں عرصہ تک درس وتدریس کا مشغلہ رہا۔ پھر مرکزی جمعیۃ علماء ہند کی نظامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ علماء کی سیاسی خدمات سے عوام کو روشناس کرانے میں آپ نے زبردست تصنیفی کارنامہ انجام دیا ہے۔ جمعیۃ علماء کی سیاسی تاریخ اور اسکے ریکارڈ کے آپ تنہا مصنف ہیں۔ ''تاریخ اسلام'' ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' ''علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے'' وغیرہ کتابیں ان کی گراں قدر تصانیف ہیں جمعیۃ علماء ہند کا تعلیمی نصاب بھی آپ ہی کے قلم کا رہینِ منت ہے بچوں کے لیے نصابی کتابیں ان کی نفسیات کے مطابق لکھنے کا اُن کو خاص ملکہ ہے ان کی تصانیف کو قبولِ عام حاصل ہے اس وقت مدرسہ امینیہ کے شیخ الحدیث اور ادارۂ مباحث فقہیہ کے معتمد ہیں؟

۴۷ء کے بعد پیش آنے والے حالات کے ضمن میں :

ایک جگہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے :

''۱۵/ اگست ۴۷ء کے بعد فرقہ واریت کے وہ ہنگامے شروع ہو گئے جو آج تک ختم نہیں ہوئے ان کی داستان طویل بھی ہے اور دردناک بھی، ان ہنگاموں نے خدمات کا ایک نیا باب قائم کیا جس کا عنوان ''ریلیف'' ہے یعنی کُشتگانِ ستم کو دفنانا، مجروحوں کے جسم پر دوا کی پٹیاں باندھنا اور زخمی دلوں پر تسکین اور دلداری کا مرہم لگانا اُجڑے ہُووں کو بسانا''

۱؎ سیّد محبوب رضوی تذکرہ سادات رضویہ دیوبند ۱۹۷۴ء ص ۲۱

جدید دفتر جمعیۃ علماء ہند :

آپ نے متعدد مساجد واگزار کرائی تھیں جن میں ایک مسجد ''عبدالنبی'' تھی جو نئی دہلی میں ہے اس سے ملحق کافی جگہ تھی۔ وہاں آپ کی خواہش تھی کہ جمعیۃ علماء ہند کا مرکزی دفتر بنائیں۔ جواب بحمد اللہ بن گیا ہے ایک شاہی دور کی وسیع مسجد جو تقریباً مسجد فتح پوری کے برابر ہوگی سنگِ سرخ کی بنی ہوئی ہے لبِ دریائے جمنا ہے اس کا نام غالباً حسنِ منظری کے باعث ''گھٹا مسجد'' پڑا ہے انہیں بہت پسند تھی۔ اس کے گرد مکانات بنے ہوئے تھے جن پر شرنارتھیوں کا قبضہ تھا وہ مسجد بھی واگزار کرائی۔ وہاں ایک سہ ماہی تربیتی کورس فضلاء مدارس کے لیے شروع کیا تھا اور خود ہی پڑھاتے تھے۔

آخری دور کی تصانیف :

انہوں نے ہر موضوع پر ایسی کتابیں تحریر فرمائیں جن سے مسلمانوں کو علمی مواد فراہم ہو جائے اور غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت بھی ہو۔

اقتصادیات پر آپ نے ''اسلام کے اقتصادی اور سیاسی مسائل'' کے نام سے کتاب تحریر فرمائی۔ ۳۸ء میں بھی ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا جس کا نام ہے'' آنے والے انقلاب کی تصویر'' اس میں جو معلومات جمع کی گئی ہیں اور خاکہ مرتب کیا ہے وہ اس دور میں اُن کی نگاہِ دور بین کا شاہکار ہے یہ کتاب اگرچہ زمانہ تحریر کے اعتبار سے پرانی ہے مگر مضمون کے لحاظ سے جدید ہے۔

ایک ضخیم کتاب ''سیرتِ مبارکہ'' کے نام سے سیرت پر لکھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب غیر مسلموں کو دعوت دینے ہی کے لیے لکھی ہے، اسی لیے اسے سب سے پہلے ''انسان'' کے عنوان سے شروع کیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ عجیب معلومات سے پُر ہے۔ اس کے بارے میں عبدالماجد دریابادیؒ لکھتے ہیں :

> ''کتاب جس قدر لوازمِ ظاہر کے لحاظ سے خوشنما اور دلفریب ہے اسی قدر معنوی حیثیت سے قابلِ داد اور اعلیٰ ہے، سیرتِ مبارکہ پر بڑی چھوٹی کتابیں اب تک اردو میں بے شمار لکھی جا چکی ہیں اور بعض بڑی بلند پایہ ہیں (مثلاً شبلیؒ وسلیمانؒ کی سیرت النبی) لیکن یہ سب سے نرالی سب سے انوکھی سب سے البیلی ہے۔ فاضلانہ مگر خشک مطلق نہیں مختصر مگر مجمل کہیں سے نہیں۔ مفصل مگر بارِ خاطر کہیں سے بھی بننے والی نہیں۔ عام پسند مگر عامیانہ ہونے کے شائبہ سے بھی پاک، نُدرت سے لبریز مگر غَرَابت واجنبیت سے سراپا پرہیز وگریز، اسلوبِ بیان ایسا کہ بغیر دیکھے اور پڑھے اس کا ذہن میں آنا دُشوار ہے۔ کتاب تمام تر بیسیوں صدی کے ناظرین کو پیشِ نظر رکھ کر

لکھی گئی ہے۔ الخ''

مغازی رسالتمآب ﷺ پر ایک بیش قیمت کتاب تصنیف فرمائی ہے اس کا نام ''عہدِ زریں'' ہے اس میں صحابہ کرامؓ کے احوال مبارکہ بھی ہیں۔ یہ دونوں جلدیں سیرت مبارکہ کی جلد دوم وسوم کا درجہ رکھتی ہیں۔ یہ کتاب ''ازا لۃ الخفاء'' مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے طرز پر لکھی گئی ہے اور اس میں اُس کے مضامین کی تشریح بھی ہے عام فہم ہے اور علماء میں بہت مقبول۔

''شواہد تقدس''[۱] سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر مودودی صاحب کے اعتراضات کے جوابات میں تحریر فرمائی تھی۔ احادیث کی ایک کتاب ''مشکوٰۃ الآثار'' لکھی جو دارالعلوم دیو بند کے نصاب میں داخل ہے ''ترجمہ نورالایضاح'' فقہ میں اور بچوں کے رسائل میں ''ہمارے پیغمبر'' اور ''تاریخ اسلام'' بہت پہلے کی تصانیف ہیں۔ مالٹا میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے حضرات کے احوال پر مشتمل ایک کتاب لکھی۔ اس کا نام ''اسیرانِ مالٹا'' ہے۔

۷۴ء میں والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے تحریر فرمایا تھا کہ جب حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے خود نوشت سوانح حیات تحریر فرمائی تو میں نے دیکھ کر عرض کیا کہ یہ سوانح حیات تو نہیں نقشِ حیات ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدسؒ کو اِن کا یہ جملہ پسند آیا تو آپ نے اس کا نام ''نقشِ حیات'' رکھ دیا، اسی گرامی نامہ میں یہ اطلاع بھی تھی کہ اب آپ (۷۵ء) میں حضرت مدنی رحمہما اللہ تعالیٰ کی سوانح حیات تحریر فرما رہے ہیں جو غالباً مفصل ہوتی لیکن اس کے بارے میں پھر کچھ علم نہیں ہو سکا۔

۷۵ء ہی میں آپ نے انڈیا آفس لائبریری کی سی آئی ڈی کی رپورٹوں سے ''تحریکِ شیخ الہندؒ'' نام سے ایک کتاب مرتب فرمائی جس کا افتتاح صدر جمہوریۂ ہند نے اپنے قصرِ صدارت میں غالباً ۵/جولائی ۷۵ء کو کیا۔

جس میں تقریباً تمام وزراء مع وزیرِ اعظم، ارکانِ اسمبلی و معززین سب ہی کو بڑی تعداد میں مدعو کیا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ سے بہت عقیدت تھی۔ اور شاید اسی بناء پر (ہندوستان کے صدر) فخر الدین صاحب نے اس کا افتتاح اس بڑے پیمانہ پر کیا نیز یہ منشاء بھی ہوگا کہ حقیقتاً قربانی دینے والے حضرات کے احوال سامنے آنے چاہئیں، حقیقتاً جدوجہدِ آزادی شروع کرنے والے اور اِسے پروان چڑھانے والے حضرات میں خصوصاً طبقۂ علماء ہی تھا نہ کہ نواب، جاگیردار اور سَر وغیرہ کے خطابات حاصل کرنے والے لوگ یہ لوگ تو خال خال ہی ہوں گے جنہوں نے جدوجہد آزادی میں حصہ لیا ہو۔

---

[۱] شاندار ماضی کی طرح ''شواہد تقدس'' بھی طبع ہو چکی ہے ''سیرۃ مبارکہ'' اور ''عہدِ زریں'' بھی ہم یہاں طبع کرانے والے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز الحکیم۔

زہد:

۱۹۷۵ء میں والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حکومت ہند کی طرف سے وظیفہ اور مکان کی سہولتوں وغیرہ کی پیشکش کی گئی ''تا نبر پتر'' (شیلڈ) بھی دیا گیا جس پر کارنامے کندہ ہوتے ہیں اور وزیرِ اعظم کے دستخط ثبت ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ جدوجہد آزادی میں پانچ مرتبہ گرفتار ہوئے تھے۔ تانبر پتر انہوں نے رکھ لیا اور یہ فرما کر رکھا کہ یہ میں اس لیے لے رہا ہوں کہ جہادِ آزادی میں مسلمانوں کی شمار میں اس سے اضافہ ہوگا باقی چیزیں قبول نہیں کیں۔

حضرت اقدس مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی یہ چیزیں اور سرکاری لقب پیش کیا گیا تھا اُنہوں نے بھی یہ تختی رکھ لی تھی باقی چیزیں قبول نہیں فرمائی تھیں۔ اسی طرح والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا۔

سلوک واحسان :

جب ہم ۱۹۳۴ء میں مُراد آباد آئے تو مجھے اس وقت سے یاد ہے کہ مغرب بعد پابندی سے ذکرِ جہر کیا کرتے تھے۔ صبح کو ورزش بھی کرتے تھے وہ ذکر و جہاد اور علم و تبلیغ کے جامع تھے۔

حضرت اقدس مدنی قدس سرہٗ نے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمِ سلوک ۱۹۶۳ء کے قریب قریب مکمل فرمادی تھی۔ سلوک کا آخری سبق **ان تعبداللّٰہ کانک تراہ** ہے جسے احسان سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور اہلِ طریقت اس مراقبہ کا نام ''مراقبۂ ذات مقدسہ'' ''مراقبہ ذاتِ بُحت'' اور ''لاتعین'' وغیرہ رکھتے ہیں جیسے کہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے ''التکشف'' میں تحریر فرمایا ہے۔

مکتوباتِ شیخ الاسلامؒ جلد اول ص ۳۴۳ مکتوب ۱۳۱ سے جو مولانا مظفر صاحب دیوبندی کے نام مکاتیب ہیں اور وہ ۱۹۴۴ء میں نینی جیل (الہ آباد) سے تحریر فرمائے گئے ہیں اسی مضمون کے ہیں۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا تاریخی اسم مبارک مظفر میاں تھا (اور میرے چچا مدظلہم کا نام مظفر علی ہے) یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ ان کی طبیعت میں اخفاءِ حال ودیعت رکھا گیا تھا اس لیے اپنا مشہور نام طبع نہیں کرایا۔

بہرحال حضرت اقدسؒ تحریر فرماتے ہیں :

اما ما ذکرتم من الذکر ومشاھدۃ القلب فمبارک زاد اللّٰہ ھذہ المساعی والمشاھدات	بہرحال ذکرِ قلبی اور مشاہدہ جیسا کہ تذکرہ آپ نے کیا ہے تو وہ مبارک ہے اللہ تعالیٰ ان کی مساعی اور مشاہدات میں ترقی دے۔

اسی مکتوب میں آگے چل کر تحریر ہے :

فعليك يا اخى بتوجيه القلب الى الذات البحت مهما امكن فان ذكر اللسا ن لقلقة وذكر القلب وسوسة وذكر الروح هوالذكر.	لہٰذا برادرِ من تم پر لازم ہے کہ جہاں تک ہو سکے ذات بحت مقدسہ کی طرف دل کو متوجہ رکھو۔

یہ مکتوب گرامی ۱۹/ربیع الاول ۶۳ھ کا ہے۔

پھر مکتوب گرامی نمبر۱۴ میں اس کی مزید تشریح فرما کر بتلا دیا ہے :

اما الذكر الروحى فذالك التوجه بالقلب الى الذات البحتة التى متنزهة عن الكم والكيف وسائر الا عراض .الخ	ذکرِ رُوحی قلب کی توجہ کا نام ہے حضرتِ حق جل مجدہٗ کی ذاتِ خاص کی طرف، جوکم اور کیف اور جملہ اعراض سے منزہ ہے۔

اسلام میں سب سے بڑی نعمت اس مراقبہ کا حصول ہے اسی کا نام معرفت ہے یہی وصول الی اللہ ہے یہی سلوک کا آخری سبق ہے یہیں سے ''سیر فی اللہ'' شروع ہوتی ہے خداوند کریم نے ان کو اس نعمت عظمیٰ سے نوازا تھا خدا کرے اب عالمِ آخرت میں بھی اس ''صلاۃ'' کا سلسلہ جاری ہو۔

تعلیمی اشغال مدارس سے شغف :

جولائی ۵۵ء میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی مہتمم جامعہ قاسمیہ مرادآباد کی وفات کے بعد سے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو اہلِ مرادآباد نے وہاں کا مہتمم مقرر کیا۔ یہ اہلِ مرادآباد کی محبت اور تعلق ہی تھا۔ آپ نے آخری وقت تک اسے نباہا۔ بحمداللہ مدرسہ بھی ترقی کرتا رہا آپ نے وہاں لب دریا ایک وسیع جگہ لے کر ''ادارہ حفظ الرحمن'' جامعہ قاسمیہ و مدرسہ شاہی کے تحت وسیع پیمانہ پر قائم کیا۔ وہاں ہی آج کل مولانا ارشد صاحب ابن حضرت مولانا مدنی قدس سرہٗ تقریباً چار سال سے کام کر رہے ہیں۔

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند منتخب ہوئے لیکن کچھ عرصہ بعد اس عہدہ سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ علمی اور تصنیفی مشاغل زیادہ کر دیے تھے، پھر مرادآباد کے علاوہ دہلی کے چار مدارس کا اہتمام بھی آپ کے سپرد تھا۔ ادارہ المباحث الفقہیہ کے رئیس اور اوقاف جمعیۃ کے چیئرمین تھے دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ اور عاملہ کے رکن تھے۔ وہاں بھی بیشتر شوریٰ وغیرہ کی کارروائیاں ان کے دستِ مبارک سے لکھی جاتی تھیں۔ مدرسہ امینیہ کے شیخ الحدیث تھے بخاری شریف اور ترمذی شریف کے علاوہ ہدایہ اخیرین بھی پڑھاتے تھے وہاں کے صدر مفتی تھے یہ سب کام اخیر وقت تک جاری رہے۔ افتاء کا کام جو مرادآباد میں اور مدرسہ امینیہ میں انجام دیا ہے نیز

نظامت جمعیۃ کے دوران بھی جو فتاوٰی تحریر کیے ہیں وہ اگر کبھی جمع کیے گئے تو یہ بھی اُن کے علمی کام کا بہت بڑا ذخیرہ ہوگا۔

مکاتیب :

ان کے مکاتیب بھی علمی افادیت سے خالی نہیں ہوتے تھے۔ مجھے ایک دفعہ تحریر فرمایا کہ ''ذہن میں آتا ہے کہ ظہر کی نماز سے جو تعلیم صلوٰۃ شروع ہوئی ہے وہ قرآن پاک کی آیت مبارکہ **اقم الصلوٰة لد لوك الشمس** کے حکم کے مطابق ہوئی ہے یہ آسان توجیہ ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب جب وزارت پر فائز ہوئے تو ان کے نام ایک گرامی نامہ میں چند نصائح اور مبارکباد تحریر فرمائی تھی اس کا پورا مضمون تو مجھے یاد نہیں البتہ نصیحت میں ایک آیت بھی تحریر فرمائی تھی **ان تتقوا اللّٰہ یجعل لکم فرقانا** ۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے علمی گرامی نامے بہت لوگوں کے پاس ہوں گے کیا اچھا ہو کہ وہ مہیا ہوسکیں۔ جناب حاجی عبدالحی خانصاحب ۳۴۰/۱۵ دستگیر کالونی نے ان کا ایک والا نامہ مع ایک کارنامہ کے ارسال فرمایا ہے جو ایک مذہبی خاص معاملہ میں ہے خاں صاحب موصوف اس زمانہ میں مسلم لیگ کے سیکرٹری تھے اور اب عرصہ سے کراچی پاکستان میں ہیں اور والد صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند تھے۔

رشید میاں سلمہٗ نے ان کی خدمت میں آٹوگراف کے لیے کچھ کارڈ بھیج دیئے اس پر انہوں نے حسبِ ذیل جواب تحریر فرمایا کہ جس سے ان کی استقامت کا اندازہ ہوتا ہے اس حالت ضعف میں آخری وقت تک کس درجہ دین پر استقامت اور جذبۂ تبلیغ واصلاح غالب تھا۔

> ''آٹوگراف وغیرہ محدثات میں سے ہیں **ایاکم والمحدثات** ۔ اپنے بزرگوں کے طریقے معلوم کرو **عضوا علیھا بالنواجذ** ۔ یہ تقشّف وتصلب نہیں بلکہ دینِ متین کو اصل خدوخال میں باقی رکھنے کی صورت یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اتباعِ سلف کی توفیق بخشے۔ یہی سعادتِ عظمٰی ہے اور عالم دین کے لیے یہی حقیقی ترقی''۔

ہمیں یہ والا نامہ ان کی وفات کے دو دن بعد جمعہ کے دن نماز کے بعد موصول ہوا جو ہم سب کے لیے وصیت کا درجہ رکھتا ہے اور وصیت مسنونہ کے انتہائی قریب ہے۔ **وباللّٰہ التوفیق وھو المستعان** ۔

یہ مکتوب انہوں نے ہمشیرہ سے تحریر فرمایا ہے۔ کمزوری کی وجہ سے خود نہیں تحریر فرما سکے مگر یہ سطور خط کے آخر میں خود اپنے قلم سے تحریر فرمائی...... اگر علماء اُمت میں ایسے لوگ جو صرف دینِ اسلام پر ہی عمل پیرا رہیں نہ ہوتے تو اسلام کا عملی نمونہ دنیا سے اُٹھ گیا ہوتا۔ یہ اسلام کا معجزہ ہے اور خدا کا وعدہ ہے اور ایسے حضرات اس معجزہ کا نمونہ مصداق اور مظہر ہوتے چلے آئے ہیں۔

عادات واخلاق :

حُسنِ اخلاق اور حقوق العباد پر خاص طور پر زور دیتے تھے تمام ہی رشتہ دار اُن کے رہینِ منت رہے ہیں وہ سب کے لیے باپ کی سی شفقت رکھتے تھے اور اُن کی امداد کی وجہ سے خود ہمیشہ مقروض رہتے تھے۔

اس قدر مشغولیت کے باوجود ہر رشتہ دار کے یہاں کبھی نہ کبھی جاتے رہنے کا وقت نکالتے تھے چاہے دس ہی منٹ بیٹھیں میرے چچا سیّد احمد میاں عرصہ سے علیل ہیں والد صاحب صبح کو ٹہلنے کے بعد واپسی پر اُن کے یہاں روزانہ تشریف لے جاتے تھے اور صرف پانچ چھ منٹ بیٹھ کر تشریف لے آتے تھے شاید **انك لتصل الرَّحِم وتحمل الكل** وغیرہ پر عمل فرماتے تھے جو رفتہ رفتہ طبیعت بن گیا تھا اور نہایت ہی عجیب بات یہ تھی کہ وہ صرف یہ خیال رکھتے تھے کہ دوسرے کا حق اُن پر کیا ہے؟ اس لیے اس کی ادائیگی کے لیے کوشاں رہتے تھے اور ہمیشہ ممنون، اور یہ جانتے ہی نہ تھے کہ ان کا حق دوسرے پر کیا ہے؟ اور وہ اداء کرتا ہے یا نہیں؟

ان کی شفقت بڑھتے بڑھتے شفقتِ عامہ کے درجہ میں داخل ہوگئی تھی۔ایک روز شام کے وقت پکانے کے لیے سبزی لے آئے حالانکہ ہمیشہ میرے بھائی سودا لاتے ہیں۔والدہ نے دیکھا تو وہ تقریباً نصف خراب تھی انہوں نے عرض کیا کہ یہ آپ کیا لے آئے ہیں آدھی تو خراب ہی ہے۔فرمایا کہ اس سبزی والے کے پاس یہی رہ گئی تھی اور اب اس سے کون خریدتا اور صبح تک اس کی سبزی ساری ہی خراب ہوجاتی اس لیے میں لے آیا۔

والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث شریف کی کتاب لکھی ہے جس کا نام "**مشکوٰۃ الآثار**" ہے وہ بھی اخلاقیات پر ہے۔انہوں نے اس کا ایک نسخہ بھیجا کہ محمود میاں اور وحید میاں کو یہ پڑھائیں اور تحریر فرمایا :

> "موطا امام محمد سے آغاز بہت بہتر ہے (میں نے مدرسہ میں شرح وقایہ کے ساتھ موطا امام محمد پڑھوانا شروع کی تھی اس کی اطلاع دی تھی کہ یہ دونوں موطا پڑھ رہے ہیں) مگر مشکوٰۃ الآثار بھی ضرور پڑھوایئے۔میرا خیال تو یہ ہے کہ اس کو حفظ کرایا جائے۔فقہی مسائل کے متعلق احادیث پر تو بہت زور دیا جاتا ہے۔اخلاقیات کے متعلق صرف مشکوٰۃ کا نصف آخر ہے مگر وہ عموماً نہیں پڑھایا جاتا ہے اور پڑھایا جاتا ہے تو اس کو اہمیت نہیں دی جاتی تھی مشکوٰۃ الآثار میں اسی کوتاہی کی تلافی کی کوشش کی گئی ہے کہ طالب علم ابتداء ہی میں اخلاقیات سے بھی واقف ہوجائے اور شفیق استاد ہو تو اُن پر عمل کی تربیت بھی کرتا رہے۔الحمد للہ ہندوستان میں اس کی مقبولیت بڑھ رہی ہے۔پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا اب عربی حروف کے ٹائپ سے طباعت کا انتظام ہو رہا ہے۔اللہ تبارک تعالیٰ مکمل فرمائے"۔

عبادت وریاضت :

جمعیۃ علماء کی نظامت کے فرائض کے دوران بھی کبھی ایسا نہ ہوتا تھا کہ نماز باجماعت میں کوتاہی ہو سوائے اس کے کہ حضرت مدنی قدس سرہ دفتر میں تشریف فرما ہوں اور وہ مسجد میں نہ جا سکیں تو دفتر ہی میں حضرت کے ساتھ جماعت میں شرکت فرما ہوتے تھے۔

بعد مغرب نوافل میں قرآن پاک یاد رکھنے کے لیے کافی دیر تلاوت فرماتے تھے صبح کو نماز فجر کے بعد ٹہلنے جاتے تھے اس وقت بھی تلاوت فرماتے تھے۔ واپس آکر نوافل اشراق پڑھا کرتے تھے۔

۶۴ء میں مجھ سے ارشاد فرمایا تھا کہ خداوند کریم نے حفظِ قرآنِ پاک مکمل کرادیا ہے۔ گویا محققانہ معیار پر تصنیف وتالیف، درس وتدریس اہتمام مدارس اسفار اور مکاتبت وملاقاتوں وغیرہ کے جاری رکھتے ہوئے حفظ قرآن پاک کی تکمیل بھی فرمائی یہ برکت اور توفیق ہی ہو سکتی ہے۔ وفات سے ڈیڑھ ماہ قبل (رمضان المبارک ۹۵ھ سے قبل) والا نامہ صادر ہوا تھا اس میں اپنی کمزوری کا حال تھوڑا سا تحریر فرمایا تھا اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے شعر کا نا تمام حصہ "ان یشاء یبارك علی اوصال شلو ممزع" بھی۔ میں نے اس پر تشویش کا اظہار کیا تو تحریر فرمایا: "مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان بے حقیقت ہے، چند اعضاء کے جوڑ کا نام انسان ہے۔ خالقِ انسان جب تک چاہے یہ جوڑ باقی رکھے جب چاہے توڑ دے وہ "جبارِ ھضیم" بھی ہے لیکن وفات کی خبر کے بعد اندازہ ہوا کہ وہ بقول ابونواس ؎

دَبَّ فِیَّ الفناء سِفْلاً و عُلْوًا
و ارانی اموت عُضْوًا فَعُضْوًا [1]

کی کیفیت محسوس فرما رہے تھے۔

آخر وقت تک عزیمت پر عمل پیرا رہنے کی کوشش :

لیکن توفیق شاملِ حال تھی جس سے میرے علاوہ دہلی میں اپنے گھر کے اندر موجود رہنے والوں کو بھی یہ خیال نہیں آیا کہ وہ چند روزہ مہمان ہیں کیونکہ آخر وقت تک عزیمت پر عمل پیرا رہے۔

رمضان مبارک میں جو والا نامہ صادر ہوا اس میں اس بات پر بہت اظہارِ قلق فرمایا تھا کہ میں کمزوری کے باعث مسجد تک بیس منٹ میں راستہ طے کر پاتا ہوں۔ اس بناء پر ظہر اور عشاء کے علاوہ جماعتوں میں شرکت نہیں کر سکتا۔ مکان سے مسجد کچھ فاصلہ پر ہے اور صحنِ مسجد سیڑھیاں چڑھ کر ہے وہاں تک جانے کی پابندی کی کوشش فرماتے تھے۔

---

[1] مجھ میں فنا نیچے اور اوپر سے سرائیت کر گئی ہے اور میں اپنے آپ کو دیکھ رہا ہوں کہ ایک ایک عضو کر کے مر رہا ہوں۔

علالت :

خونی بواسیر سب سے بڑا عارضہ تھا جس کا دورہ اس سال ۱۵؍رمضان سے شروع ہوا اس میں اس قدر شدت ہوتی تھی کہ بدن کا جیسے سارا خون نکل گیا ہو لیکن اس کے باوجود میرے پھوپا سیّد سادات حسن صاحب کی وفات پر ۱۹؍رمضان کو سفر مراد آباد کیا اور روزہ سے رہے صرف تین روزے قضاء ہوئے اور تین دن تراویح نہیں پڑھ سکے، جتنے کام وہ کرتے تھے یقیناً وہ بغیر توفیقِ خاص کے ناممکن ہیں۔

وفات :

رمضان کے بعد ڈاکٹروں نے تجویز کیا کہ خون چڑھانا ضروری ہے جسے انہوں نے پسند نہ فرمایا اس کا بدل جوس وغیرہ تجویز کیے گئے لیکن غذا کی اشتہاء ختم ہو چکی تھی بالآخر کمزوری بڑھتی گئی۔

ایک عزیز حافظ طاہر صاحب وفات سے دو دن پہلے مزاج پُرسی کے لیے آئے تو فرمانے لگے بھائی! میں تو یہ آیت تلاوت کر رہا ہوں **فاطر السمٰوات والارض انت ولی فی الدنیا والاخرة توفنی مسلما والحقنی بالصالحین** (آخر سورۃ یوسف پارہ ۱۳ رکوع ۵) اور انتظار میں ہوں کہ کب رُوح پرواز کر جائے۔

زندگی کی آخری شب عشاء کی نماز اذان ہوتے ہی پڑھی پھر سانس میں دقت محسوس ہونے لگی۔ ڈاکٹروں خصوصاً حکیم اجمل خان صاحب مرحوم کے پوتے ڈاکٹر علیم صاحب کے مشورہ سے ہسپتال میں آکسیجن کے لیے جانا ضروری سمجھا گیا تو گیارہ ساڑھے گیارہ بجے وہاں داخلہ ہوا۔ اگلے روز صبح سے وقفہ وقفہ سے سبحان اللہ وغیرہ کلمات فرماتے رہے۔ کوئی بات کرتا تھا تو اس کا جواب عنایت فرماتے تھے لیکن کمزوری کے باعث آواز بہت ہلکی تھی، شام کو سب کا خیال ہوا کہ گھر لیجایا جائے خود والد صاحب نے بھی یہی فرمایا لیکن خون کی تین اُلٹیاں آئیں اس کے بعد طبیعت جیسے پُرسکون ہو گئی ہو۔ ساڑھے پانچ بجے ڈاکٹر راؤنڈ پر آئے تو اُن سے گھر لانے کی اجازت لی گئی۔ ڈاکٹر سے اجازت ملتے ہی گلوکوز کی بوتل الگ کر دی گئی اس سے ان کے چہرے پر مزید سکون ظاہر ہوا۔

میرا چھوٹا بھائی شاہد میاں سلمہٗ آخری شب جب انہیں ہسپتال لے جایا گیا حاضرِ خدمت رہا۔ اس نے بیان کیا کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ گھر سے ہسپتال جاتے وقت ہی سمجھ گئے تھے اور انہیں خود کو آخری لمحات کا اندازہ ہو گیا تھا جسے انہوں نے ہم سے نہیں ظاہر کرنا چاہا کیونکہ انہوں نے وہاں جا کر کسی سے بات نہیں کرنی چاہی اور صرف ذکرِ الٰہی کی طرف متوجہ رہے سانس سے بھی اور زبان سے بھی، شاہد میاں نے کہا کہ شب کے اڑھائی بجے کے قریب ایک دفعہ جب ہاتھ سے سوئی نکالی گئی تو انہوں نے ہاتھ ایسے رکھے جیسے نماز میں باندھے جاتے ہیں۔ میں نے بات

کر کے دریافت کرنا چاہا تو ہاتھ سے اشارہ سے منع فرمادیا کہ بات نہ کرو بعد میں وفات تک اگر چہ وہ باتوں کا مختصر جواب دیتے رہے لیکن زیادہ تر پوری توجہ ذکرِ الٰہی کی طرف رہی۔

حُسنِ خاتمہ :

ایک مسلمان کے لیے حسنِ خاتمہ بہت بڑی دولت ہے (اللہ پاک ہم سب کو نصیب فرمائے) شام کو خون کی اُلٹیاں آنے کے بعد نظر آرہا تھا کہ ہر سانس پر اللہ اللہ کا ذکر جاری تھا۔عزیزوں میں سے دو حضرات نے زیرِ لب تلاوت شروع کردی اسی اثناء میں ایک اور عزیز حافظ طاہر صاحب پہنچے۔انہوں نے سورۃ یٰسین کی تلاوت شروع کردی پڑھ کر دم کرتے رہے اور چمچہ سے پانی دیتے رہے۔اسی دوران تھوڑے تھوڑے وقفہ سے سبحان اللہ باآوازِ بلند کہا جو سب ہی نے سنا، تیسری بار آنکھیں بھی کھولیں اور جیسے اِدھر اُدھر نظریں گھومتی ہوئی آہستگی سے جھک گئیں۔اس وقت طاہر صاحب سے فرمایا کہ ''اب اِدھر دیکھو'' اللہ اللہ کی آواز اب اور آہستہ ہوتی چلی گئی اور اس کے ساتھ آنکھیں بند ہوتی گئیں۔نہ کوئی جھٹکا نہ تشنج نہ گھبراہٹ بیحد سکون [۱] چھاتا چلا گیا۔چہرہ پر ایسی ابدی مسکراہٹ رقصاں تھی کہ دیکھنے والوں کو سکون عطا کر رہی تھی۔۱۶رشوال ۹۵ھ/۲۴راکتوبر ۷۵ء چہار شنبہ ساڑھے چھ بجے وفات پائی عمر مبارک سنین ہجریہ سے ۷۴سال اور عیسوی سے ۷۲سال ہوئی انا للّٰہ وانا الیہ راجعون .**اللّٰھم اغفرلنا ولہ وتغمدنا وایاہ برحمتک ورضوانک وادخلہ الفردوس الاعلٰی من جنانک واجعلنا وایاہ ممن یدخلون الجنۃ بغیر حساب.**

ان کے لیے مفتی عتیق الرحمٰن اور قاضی سجاد صاحب نے حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک کے قریب قبر کا انتظام کیا تھا آپ کی قبر مبارک احاطہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ میں ہے جو''قبرستان مہندیاں'' کہلاتا ہے لیکن والد صاحب کو مسجد عبدالنبی کے قریب جو''گورِ غریباں'' ہے وہ بہت پسند تھا۔وہیں انہوں نے اپنے پھوپی زاد بھائی سیّد عقیل صاحب کے لیے ۱۲ر رمضان ۹۵ھ کو جگہ تجویز کی تھی اور اظہار کیا تھا کہ انہیں اپنے لیے بھی یہ جگہ پسند ہے، یہ قبرستان بہت قدیم ہے، دہلی میں دہلی دروازہ کے باہر ہے۔

نمازِ جنازہ شاہ ابوالخیر قدس سرہ کے جانشین مولانا زید صاحب نے پڑھائی، مولانا اسعد صاحب مدنی غالباً دورہ مدراس پر تھے البتہ مولانا ارشد صاحب پہنچ گئے تھے۔جنازہ میں تمام مسلم وزراء اور مسلم ممالک کے سفراء بھی شریک ہوئے۔(مجھے حاجی عبدالغنی صاحب کلکتہ والوں نے یہ تفصیل لکھی تھی وہ نظام الدین تبلیغی جماعت میں آئے ہوئے تھے

---

[۱] دہلی سے رشتہ داروں کے سب خطوط میں یہی الفاظ لکھے ہوئے تھے اور یہ بھی ہے کہ انہوں نے جو اشارہ کیا یوں محسوس ہوا کہ وہ ملائکہ کی طرف تھا۔جو لوگ وہاں موجود تھے ان سب کے ذہن میں یہی بات آئی۔جو قرین قیاس ہے قرآن پاک میں یہی مضمون آیا ہے **ان الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا** (الآیۃ پ۲۴ رکوع ۱۸) اور استقامت کا حال ان کے آخری گرامی نامہ سے واضح ہے۔

نماز میں شریک ہوئے تھے)۔

حضرت شیخ الحدیث مد ظلہم اسہال کی شکایت کے باعث بہت کمزور تھے اور سہارنپور میں قیام تھا اس لیے سفر کے قابل نہ تھے مگر وہاں سے سب لوگوں کو دہلی بھیج دیا حتی کہ اپنے خاص خدام کو بھی ارشاد فرمایا کہ ہم سب کو ہی وہاں ہونا چاہیے تھا اور جنازہ میں شریک ہونا چاہیے تھا لیکن میں سفر کے قابل نہیں ہوں آپ لوگ شرکت کریں۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

مولانا محمد الحسنی صاحب مدیر ''البعث الاسلامی'' (عربی) ندوۃ العلماء لکھنؤ آپ کے انتقال پر تعزیتی نوٹ میں یوں لکھتے ہیں :

''فجع المسلمون فی الهند بوفاة فضيلة الشيخ محمد ميان فی شهر شوال ١٣٩٥ھ رئيس قسم الحديث الشريف والافتاء بالمدرسة الامينية بد هلی وكانت وفاته خسارة كبيرة لهذه البلاد فی جميع المجالات الاسلامية فانا لله وانا اليه راجعون .وكان الفقيد خير مثال للعالم المعاصر الذی يجمع با تزان وقصد بين العلم والدين والتاليف والسياسة والعبادة .له مؤ لفات وابحاث قيمة باللغة الارد وية تعالج المواضيع العلمية والدينية والسياسية والا قتصادية والفقهية فكتابه ''علماء الهند وما ضيهم الزاهر'' نال من القبول والاعجاب من جميع الاوساط العلمية والسياسية مايزيد فی قيمته واهميته.وكذٰلك كتابه''محمد رسول الله ﷺ''و''المشكلات السياسية والاقتصادية وحلولها فی ضوء تعاليم الاسلام ''وغير ذالك من الكتب يحمل اهمية موضو عية .

وقد كان شديد الحرص على الحضورفی المهرجان التعليمی لندوة العلماء ولٰكن الاجل لم يمهله وقد كتب فی ذالك كتابا الی سماحة الشيخ الندوی الا انه لم يتمكن من اتمامه ووافاه اجله .رحمه اللّٰه رحمة واسعة.وانزل عليه شاٰبيب رضوانه والهم اهله الصبروالسلوان ''. [1]

---

[1] **مولانا محمد الحسنی ''البعث الاسلامی''لکھنؤ،المجلد العشرون ص٢٩٩ و ٣٠٠**